السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اصل ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا کمال ایمان میں۔ خوارج محدثین کے درمیان تعریف ایمان میں امتیازی کیا فرق ہے؟ ازراہ کرم کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیرا

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

قرآن مجید میں کلمہ شہادت کو شجرہ طیبہ (درخت) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

أَلَم تَرَ كَيفَ ضَرَبَ للَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصلُهَا ثَابِت وَفَر عُهَا فِي لسَّمَآءِ سورة ابراہیم 24

حدیث شریف میں آیا ہے:

«الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله الحدیث۔»

ایمان کی مثال درخت سے دی گئی ہے جس طرح درخت کی جڑ زمین کے اندر پوشیدہ رہتی ہے اور اوپر اس کا تنا اور ڈالیاں اور شاخیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایمان بھی ظاہر وباطن اندر اور باہر کے مجموعہ کا نام ہے۔۔۔۔ ایمان کی جڑ یا تو مومن کے قلب میں یقین واذعان کی صورت میں ہوتی اور پوشیدہ رہتی ہے۔ اور اس کا اعلیٰ شعبہ یعنی تنہ زبان کی شہادت ہے۔ اور بقیہ اعمال اس جزو تنہ کی شاخ اور ڈالیاں ہیں۔ جس طرح اندر سے باہر تک درخت کے مجموعی حصہ کو درخت کہتے ہیں۔ اگرچہ تفصیل کے وقت کسی کو جڑ کسی کو شاخ اور تنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایمان اعتقاد وعمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جس طرح بعض شاخ یاتنے کے نکل جانے سے اصل درخت کا وجود باقی رہتا ہے مگر اس میں نقص آجاتا ہے۔ اس طرح بعض اعمال کے نہ پائے جانے سے اصل ایمان کے اندر نقص آجاتا ہے۔ اور اگر کل اعمال متروک ہوجائیں تو اس کی مثال اس درخت کی ہے جو صرف جڑ ہی جڑ ہے اور درخت کی کوئی حیثیت اس کے اندر موجود نہیں۔ ایسی صورت میں پھر اصل درخت ہی کالعدم بلکہ معدوم ہوجاتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اس اسلامی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جزو کامل وغیرہ کو جس طرح چاہیں تعبیر کرلیں۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذالک الجمال یشیر

شرعی ایمان

پھر ایمان کی یہ تعریف شرعی معنی سے ہے۔ یعنی شریعت کے نزدیک یقین وعمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ لغوی معنی ایمان کے ایک تو امن دینے کے ہیں۔ جس کا مفہوم ان لفظوں میں بتلایا گیا ہے۔ المومن من أمن الناس بوائقه دوسرے معنی یقین وتصدیق کے ہیں۔ جیسے اخوان یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا کہ:

وَمَآ أَنتَ بِمُؤ مِنٍ لَّنَا وَلَو كُنَّا صَٰدِقِينَ سورة یوسف 17

کیونکہ مومن کے لیے کتاب وسنت کی باتوں اور ان کی خبروں پر یقین کرنا ضروری ہے اور یہی چیز انسان کو عذاب سے امن میں رکھنے والی ہے۔ لہذا اس لفظ کو اس موقع پر دونوں معنی ملحوظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور چونکہ تصدیق کا ثبوت اعمال سے ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا وجود اس کے تنا وشاخوں سے۔ اس لیے حکیم کامل نے اس کو درخت سے تشبیہ دی اور جس طرح درخت کی ڈالیاں مختلف حیثیت رکھتی ہیں۔ کوئی بہت بڑی جو قائم مقام درخت کے قرار دی جاتی ہے۔ تو کوئی بالکل معمولی اسی طرح اعمال کی نوعیت ہے۔ اور جس طرح درخت کی شاخ اور پتیاں کبھی درخت سے الگ ہوجاتی ہیں۔ اور کبھی صرف ٹہنیوں اور پتوں کی تازگی اور رونق مفقود ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اعمال کا اثر کبھی تو نفس ایمان پر پڑتا ہے کبھی اس کی ورنق اور رنگت پر۔ لہذا کبھی اصل ایمان میں نقص آتا ہے۔ کبھی کمال یعنی اس کی رونق ودبھت پر۔

محدثین وخوارج کا تعریف ایمان میں امتیازی فرق

محدثین اعتقاد واعمال کو ایمان کی تعریف میں لیتے ہوئے پھر بھی ترک عمل کو کفر نہیں کہتے۔ بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک انسان باوجود یقین واعتقاد کے ترک عمل سے کافر ہوجاتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک ایسے شخص کا شمار کافر میں نہیں بلکہ فاسق میں ہوگا۔ خوارج آیت:

وَأَمَّا لَّذِينَ فَسَقُواْ فَمَأ وَيٰهُمُ لنَّارُ كُلَّمَآ أَرَادُوٓاْ أَن يَخ رُجُواْ مِنهَآ أُعِيدُواْ فِيهَا- خلود فی النار --سورة السجدة 20

:لیتے ہوئے اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرات محدثینؒ کہتے ہیں کہ یہاں فسق سے مراد ہی کفر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آتا ہے

وَقِيلَ لَهُم ذُوقُوا عَذَابَ لنَّارِ لَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ --سورة السجدة

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اندر تصدیق سرے سے ہی نہیں تھی۔ کیونکہ عذاب کے مستحق دوزخ کے منکر اور اس کے مکذب تھے۔ اب رہا موحدین مؤمنین تارکین اعمال کا کفر نہ ہونا۔ اس کی دلیل قولہ عزوجل:

اِنَّ للَّهَ لَا يَغ فِرُ أَن يُش رَكَ بِهِ وَيَغ فِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ --سورة النساء48

ہے۔ کیونکہ یہاں غیر مشرک کے لیے مغفرت مقید بمشیت کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف توحید سے مومن نہیں اور ترک اعمال سے کافر ہو گیا تو اس کی مغفرت کے لیے صحیح مشیت الہی بھی نہیں ہوگی۔ اس لیے محدثین کے نزدیک باوجود اعمال کے داخل ایمان ہونے کے ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور خوارج کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الایمان، مذاہب، ج1ص116

محدث فتویٰ